© rasailojaraid.com

آپ عربی کیسے سیکھیں اور سکھائیں

مولانا نور عالم خلیل امینی

استاد ادب عربی ومدیر "الداعی" دار العلوم دیوبند

[مولانا وحید الزمان قاسمی برصغیر کے عربی ادیبوں میں صف اول کے ادیب تھے، وہ دار العلوم دیوبند میں عربی زبان وادب کے جلیل القدر استاذ تھے، ان کی مرتب کردہ شہرۂ آفاق عربی اردو اور اردو عربی کی قاموس "القاموس الجدید" اور "القاموس الوحید" کے نام سے جدید وقدیم علمی حلقوں میں معروف ومتداول ہیں، ان کی خصوصیت یہ نہیں تھی کہ وہ عربی زبان وادب کے ماہر اور متبحر عالم وادیب تھے بلکہ ان کا اصل امتیاز یہ تھا کہ انھوں نے ماہرین لغت کی ایک بڑی ٹیم تیار کی اور یوں تنہا وہ ایک فرد، کئی افراد، امت کو دے کر گئے۔ ان کی علمی اور ادبی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے دار العلوم دیوبند کے عربی مجلّہ "الداعی" کے مدیر نے "وہ کوہ کن کی بات......" کے عنوان سے ایک البیلی کتاب تحریر فرمائی جو پاکستان میں بیت العلم ٹرسٹ کراچی نے بھی شائع کر دی ہے، ذیل میں عربی سیکھنے اور سکھانے کے حوالے سے مولانا کے طریقہ اور اسلوب سے متعلق اس کتاب کا ایک حصہ شائع کیا جا رہا ہے، امید ہے عربی زبان سے دلچسپی رکھنے والے شائقین اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ——— مدیر]

عربی کا ذوق اور اس کی تعلیم کی خداداد صلاحیت: مولاناؒ نے علامہ مامون دمشقی سے حیدر آباد میں، بہت مختصر عرصے میں، عربی زبان کے تعلم کے حوالے سے جو فائدہ اٹھایا، اس کے سوا مولاناؒ نے عربی کے حوالے سے کسی باقاعدہ استاذ کی شاگردی نہیں کی، بلکہ مامون دمشقی نے جو ذوق وشوق ان کے اندر پیدا کر دیا تھا، اس کے سہارے از خود محنت کے ذریعے، وہ عربی زبان کے عدیم المثال خادم بن گئے اور اس کی تدریس کے حوالے سے شاید وباید ہی ایسا کوئی استاذ برصغیر میں عصر حاضر میں پیدا ہوا ہوگا۔

ایک مشہور معاصر نے عرصہ قبل عربی زبان پر ان کی اتنی شان دار گرفت کے حوالے سے، دار العلوم دیوبند ہی میں، ان سے انٹرویو لیا تھا، جب یہ راقم الحروف بھی دار العلوم کا طالب علم تھا۔ یہ انٹرویو "الجمعیۃ ویکلی" کے ایک شمارے میں شائع ہوا تھا۔ انھوں نے مولاناؒ سے سوال کیا: مولانا! سب سے پہلے تو آپ مجھے بتائیے کہ دیوبند کے ماحول میں آپ نے جدید عربی اور عربی زبان میں لکھنے بولنے کی صلاحیت، کس طرح پیدا کی؟ مولاناؒ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میں نے اس سلسلے میں جو کچھ حاصل کیا ہے، بغیر کسی استاد کے حاصل کیا ہے۔"

اس کے بعد مولاناؒ نے حیدر آباد کے سفر اور مامون دمشقی صاحب کی مختصر سی رفاقت ومصاحبت کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ:

"اس کے علاوہ باضابطہ طور پر ان سے عربی سیکھنے کی کوئی صورت نہیں تھی، مگر میرے شوق کا یہ عالم تھا کہ جب بھی ان سے ملاقات ہوتی، فوراً کسی نہ کسی شکل میں استفادہ شروع کر دیتا...... بدقسمتی سے یہ سلسلہ صرف چند مہینے جاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہ سکا، تاہم اس تجربے سے مجھے ایک خاص فائدہ ہوا۔ حیدرآباد کے سفر سے پہلے، عربی زبان میرے لیے بس اس طرح کی ایک چیز تھی، جس کو میں نے ''نحو میر'' جیسی کتابوں میں پایا تھا۔ یعنی فَعَلَ فَعَلُوْا کی گردان وغیرہ۔ اب معلوم ہوا کہ عربی ایک زندہ زبان ہے، جو اردو کی طرح بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ طالب علمی کے ابتدائی زمانے میں یہ میرے لیے گویا ایک دریافت تھی، جس نے میرے سامنے ایک نئی دنیا کھول دی''۔

پھرانھوں نے پوچھا کہ علامہ مامون دمشقی سے چھوٹنے کے بعد آپ نے عربی سیکھنے کے لیے کیا صورت اختیار کی، تو مولاناؒ کا جواب تھا:

''اس کے بعد میں کتب خانہ آصفیہ جانے لگا، وہاں روزانہ ۵۔۶ گھنٹے مطالعہ کرتا۔ مطالعے میں عربی اخبارات و رسائل خصوصیت سے دیکھتا تھا۔ اس طرح عربی کی شد بد ہوگئی، یہاں تک کہ ۱۹۴۸ء میں، میں نے دارالعلوم دیوبند آکر داخلہ لیا۔ داخلے کے وقت عربی تو کچھ بول لیتا تھا، مگر عربی رسائل وغیرہ پڑھنے کی استعداد بھی پیدا نہیں ہوئی تھی''۔

پھر ان کا سوال تھا کہ دارالعلوم میں آپ کی عربیت کے ذوق کے لیے کیا مواقع ملے؟ تو مولاناؒ نے فرمایا:

''جہاں تک دارالعلوم کا تعلق ہے، اس وقت یہاں اس سلسلے میں کچھ نہیں تھا، حتیٰ کہ عربی انشا بھی نہیں تھی۔ مجھے بالکلیہ طور پر خود سے محنت کرنی پڑی اور اس معاملے میں اپنے شوق اور لگن کے سوا کوئی چیز میری راہنما نہ تھی''۔

عربی زبان کے مطالعے کا نتیجہ خیز اور عربی آموز طریقہ:

پھرانھوں نے پوچھا: پھر آپ نے کیا صورت اختیار کی؟ مولاناؒ کا جواب تھا:

''میں نے عربی اخبارات و رسائل حاصل کر کے پڑھنے شروع کیے، مگر استعداد کا عالم یہ تھا کہ ماہ نامہ ''العرب'' کے ایک ایک صفحے کو دس دس بار پڑھتا تھا، پھر بھی پوری بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ میرے پڑھنے کا ایک خاص طریقہ تھا''۔

''میرے مطالعے اور پڑھنے کا ایک خاص طریقہ تھا، میں کسی مضمون کو اس اعتبار سے نہیں پڑھتا تھا کہ اس میں جو بات ہے، وہ کیا ہے؟ بلکہ صرف اس اعتبار سے دیکھتا تھا کہ کسی مفہوم کو عربی میں کس طرح ادا کیا گیا ہے؟ میں ایک جملے کو لیتا اور پھر اس کی اردو تعبیر کو سامنے رکھ کر غور کرتا کہ ایک بات کو عربی میں کس طرح تعبیر کیا جاتا ہے اور اردو میں کس طرح؟ فرض کیجیے، ایک جملہ ہے: سَأَشْكُوكَ إِلَى أَبِيكَ بِأَنَّكَ تَغِيبُ عَنِ الدَّرْسِ كَثِيرًا۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ طالب علم عربی عبارت کا اجمالی مفہوم سمجھ کر آگے بڑھ جاتا ہے، اس لیے وہ عربی اور اردو تعبیر کے فرق کو نہیں سمجھ پاتا۔ مثال کے طور پر مذکورہ جملہ سمجھنے میں ایک طالب علم کو دقت پیش نہیں آئے گی، لیکن اگر اس سے کہا جائے کہ اس کی عربی بناؤ کہ ''میں تمھارے والد سے شکایت کروں گا'' تو عین ممکن ہے کہ وہ کہہ دے: سَأَشْكُوكَ مِنْ وَالِدِكَ۔ میرا طریقہ تھا کہ جب اس طرح کا جملہ آیا، تو میں نے خصوصیت سے نوٹ کیا کہ ایسے موقع پر عربی میں شکایت کے ساتھ ''إلی'' کا صلہ آئے گا۔ اس طرح مطالعے میں میرا انہماک اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اکثر ایسا ہوتا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں پورا مضمون پڑھ ڈالتا، بلکہ کئی کئی بار پڑھتا، اس کے باوجود اس سے لاعلم رہتا کہ پورے مضمون میں بات کیا کہی گئی ہے، کیوں کہ میرا ذہن عام طور پر اخذِ تعبیرات پر مرکوز رہتا تھا''۔

مولانا نے اپنی محنت اور اپنے مطالعے سے عربی زبان سیکھنے کا جو طریقہ اپنے اس انٹرویو میں بتایا ہے، یہی بات وہ ہم سبھی طلبہ کو درس گاہ میں بھی ہمیشہ کہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ انتہائی مفید طریقہ ہے۔ اس کے بعد مولاناؒ نے طالب علمی کے زمانے میں جو طلبۂ دارالعلوم کو عربی کی مشق کرائی، اسباق لکھ لکھ کے دیواروں پر چسپاں کیے، اس کے بعد دارالعلوم میں مدرس ہوئے اور عربی کی تدریس اور طلبہ کو خطابت وصحافت پر لگایا، نیز خود بھی ''دعوۃ الحق'' کے ذریعے باقاعدہ صحافت کے میدان میں قدم رکھا، اس سے ان کو عربی بولنے، عربی لکھنے، عربی زبان کے ماحول میں رہنے اور عربی ماحول بنانے کا ایسا ذوق پیدا ہوگیا کہ وہی معاصر جنھوں نے مذکورہ انٹرویو لیا تھا، انٹرویو کے لیے دارالعلوم آنے سے قبل، مولانا سے دہلی میں تعارف اور پھر دیوبند میں ان سے ان کے کمرے میں ملاقات کی خوب صورت داستان کو ذیل کے دل آویز الفاظ میں لکھتے ہیں:

''جولائی ۱۹۶۷ء کی ایک شام تھا۔ نئی دہلی کی ایک مجلس میں کچھ علما جمع تھے اور عرب ممالک کے حالات پر بات ہو رہی تھی۔ اس مجلس کا خاتمہ ایک شخص کی گفتگو پر ہوا۔ گفتگو کے آخر میں تمام حاضرین نے محسوس کیا کہ موصوف کو اس موضوع سے خصوصی تعلق ہے۔ ان کی شخصیت، ان کا انداز اور ان کا لب ولہجہ، ہر چیز میں ایک دل آویز قسم کی عربی شان نظر آتی تھی۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوا، جیسے میں ایک ''ہندوستانی عرب'' سے ملاقات کر رہا ہوں۔ ایک ایسا شخص جو نسلاً ہندوستانی، مگر اپنی خصوصیات کے اعتبار سے عربوں جیسا ہو۔ یہ مولانا وحید الزماں کیرانوی تھے، جن کی عمر تیس چالیس کے درمیان ہوگی۔ آپ دارالعلوم سے نکلنے والے سہ ماہی عربی رسالہ ''دعوۃ الحق'' کے ایڈیٹر بھی ہیں۔

''نئی دہلی کی مجلس کے بعد مجھے خصوصی اشتیاق ہوگیا کہ مولانا سے تفصیلی ملاقات کروں۔

''حسن اتفاق سے یہ موقع جلد آ گیا، جولائی ۱۹۶۸ء کی ۱۵ تاریخ تھی۔ ایک طالب علم کی راہ نمائی سے مجھے دارالعلوم دیوبند کے دار جدید کے اوپر کے، ایک کمرے کے سامنے پہنچایا گیا۔ کمرے کی دیوار پر ''دعوۃ الحق'' کا خوب صورت بورڈ، اس بات کی علامت تھا کہ میں اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ گیا ہوں۔

''السلام علیکم...... ''وعلیکم السلام''

''اب میں مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے کمرے میں تھا، جو رسالے کا دفتر بھی ہے اور ان کی ذاتی رہائش گاہ بھی۔ وسیع کمرے میں دفتر اور رہائش کے دوگونہ تقاضوں کو نہایت سلیقے کے ساتھ جمع کیا گیا تھا۔ کمرے کا فرش، الماریاں، کتابوں اور اخبارات ورسائل کے ذخیرے، دفتری ضروریات، رہائشی ضروریات کے سامان، ہر چیز اس طرح رکھی گئی تھی، جیسے انھیں کسی اور صورت میں ترتیب نہ دیا جا سکتا ہو۔ اس کے ساتھ کمرے کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اس کے اندر حیرت انگیز طور پر عربی تہذیب سموئی ہوئی تھی۔ جس طرح کسی شدید موسم میں سڑک سے گزر کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایرکنڈیشنڈ مکان میں داخل ہونے سے یکایک کی فضا کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح اس کمرے میں داخل ہو کر مجھے محسوس ہوا، جیسے میں ہندوستانی جغرافیے میں چلتے چلتے، اچانک عرب دنیا کے اندر داخل ہو گیا ہوں۔ اس کمرے کے پورے ماحول میں ایک قسم کی عربیت چھائی ہوئی تھی، جو غیر شعوری طور پر اپنا احساس دلاتی تھی۔ ''سرسری جائزے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ضروری سامان کو الگ کر لیا جائے، تو اس کے بعد اس کمرے میں جو کچھ بچے گا، وہ عربی لٹریچر، عربی کتابیں، عربی رسائل اور عربی اخبارات ہوں گے۔ جلد ہی مجھے یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ یہ کمرہ درحقیقت دارالعلوم کی اس وسیع دنیا میں عربی ادب اور عربی تقریر و تحریر کے مرکز کی حیثیت رکھتا ہے''۔

عربی جاننے والے تو بہت ہوا کرتے ہیں، لیکن اپنی حرکات و سکنات اور گرد و پیش کو عربی کے رنگ میں رنگ دینے والے، تو صرف مولانا وحید الزماں کیرانویؒ ہی تھے۔

ہم لوگ پڑھنے کے زمانے میں کہا کرتے تھے کہ مولاناؒ عربی میں ہی چلتے ہیں، کیوں کہ ان کی چال بھی عام لوگوں سے الگ تھی۔ وہ چلتے تو ایسا لگتا جیسے کوئی لکڑی، پانی پر سیدھی کھڑی بہی چلی جا رہی ہے، دائیں بائیں زیادہ نہ جھکتے نہ ہاتھوں کو زیادہ حرکت دیتے۔

جب وہ بولتے تو کیا مجال ہے کہ سبقت لسانی سے کسی عربی جملے کی نشست میں، کسی طرح کی ناہمواری پیدا ہو جائے۔ اعرابی اور لفظی غلطی، تو دور کی بات ہے کسی لفظ کو نہ تو وہ مجہول ادا کرتے اور نہ ہی غلط مخرج سے، خواہ کتنی جلدی اور کتنے غصے میں کیوں نہ بول رہے ہوں۔ ہم لوگوں نے عربی کے بڑے بڑے ادیبوں کو عربی میں سنا ہے، لیکن اس ہندی ''نژاد عربی'' کی روانی، الفاظ کی صحت، عربی کے آمرانہ لہجے کی شناخت، کسی کے ہاں نہ دیکھی۔

ابھی وفات سے دو ایک سال پہلے کی بات ہے، کویت سفارت خانے میں انفارمیشن آفس کے ذمے دار، باسم لوغانی صاحب، راقم الحروف کی دعوت پر دارالعلوم دیکھنے آئے۔ ذرا دیر کے لیے مولانا سے ان کے مکان پر ملنے گئے۔ ملاقات کے دوران انھوں نے مولاناؒ سے پوچھا کہ آپ نے عربی کہاں سیکھی؟ مولاناؒ نے جواب میں جو گفتگو عربی میں کی، اس سے وہ اتنے متاثر ہوئے کہ کار میں بیٹھتے ہوئے مجھ سے کہا:

''میں شیخ وحید الزماں سے بہت متاثر ہوا، وہ تو عربوں سے اچھی عربی بولتے ہیں، اگر میں دیوبند آ کے ان سے نہ ملا ہوتا، تو یہاں سے گویا خالی ہاتھ جاتا۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ان سے ملایا اور انھیں جاننے کا موقع دیا''۔

۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء میں کویت کے سفر میں، جس میں راقم الحروف کو ان کی رفاقت کی سعادت ملی تھی، وزارتِ اوقاف کے سکریٹری سے گفتگو فرما رہے تھے، تو وہ اتنا متاثر تھے کہ بار بار سبحان اللہ کہتے اور مسلسل آپ کی طرف نظر گڑائے متوجہ رہے۔

وہ عربی کے بہت بڑے ادیب نہ تھے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ بڑے سے بڑے ہندی نژاد عربی ادیب کو، ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرح عربی ادب کی تعلیم دینے کا سلیقہ شاید ہی نصیب ہوا ہو۔ وہ چند روز میں طلبہ کو ذرے سے آفتاب بنا دیتے تھے۔ پھر یہ کم ہوتا ہے کہ آدمی عربی لکھنا بولنا بھی جانتا ہو اور اس کا اتنا ماہر خطاط اور خطاط گر بھی ہو۔ عربی ٹائپ کے حروف کو قلم سے لکھنے کے فن کے موجد تھے۔ کتنے طلبہ مولاناؒ کی راہنمائی سے عربی خطاط بن گئے اور روزی روٹی سے جڑ گئے۔

پھر عربی زبان کی تعلیم کا ایسا شوق اور جذبہ تھا کہ وہ رات کے دو بجے تک طلبہ کو اخبارات و رسائل پڑھاتے رہتے اور طلبہ کے لیے اجازت تھی کہ وہ جب چاہیں آئیں اور استفادہ کریں۔ عربی کا اردو متبادل اور اردو کا عربی متبادل، اتنا صحیح بتاتے کہ طبیعت باغ باغ ہو جاتی۔ انھوں نے اپنی تنہا ذات سے دارالعلوم دیوبند پر عربی زبان و ادب کے سلسلے میں تہی دامنی کے الزام کو ختم کیا۔

یہاں مولانا کے ایک مشہور و معروف تلمیذ رشید کے خوب صورت قلم سے، مولانا کی دارالعلوم میں لائی ہوئی بہار کی مختصر نقشہ گری کو درج کرنے کو جی چاہتا ہے:

> ”قدرت نے ان کو (مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کو) علم و فضل اور جہد و عمل کی سرفرازیوں سے نوازا تھا، اخلاق کریمانہ تھا، دل درد میں ڈوبا ہوا تھا، ذہن کشادہ تھا، فکر میں بے پناہ وسعت تھی اور خیالات جدت طراز تھے، لیکن شریعت پر مضبوط گرفت تھی۔ طلبہ کے ساتھ باپ جیسا سلوک کرتے تھے۔ وہ زبردست پدرانہ شفقت کے حامل تھے۔ وہ اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دیتے تھے اور اپنا آشیانہ پھونک کر روشنی بخش دینے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ ان کی یادیں اور محبتیں، ان کا علمی وقار و عظمت، طلبہ کی تعلیم و تربیت میں ان کی مسلسل محنت اور عرق ریزی کے گہرے نقوش، میرے ذہنی کینوس پر مرتسم ہو کر لافانی اور لازوال ہو چکے ہیں۔
>
> ”......اس خوش خبری سے (کہ دارالعلوم میں عربی زبان کا شعبہ کھل رہا ہے، جس کے سربراہ مولانا وحید الزماں کیرانویؒ ہوں گے) طلبہ کے چہرے کھل اٹھے انھیں اس بات کی بے حد مسرت تھی کہ اب حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے علمی تبحر اور فکری تجدد سے، زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کا موقع میسر آئے گا۔ راقم السطور کا دورۂ حدیث کا سال تھا۔ میں نے بھی طے کر لیا کہ اگلے تعلیمی سال، فنون میں داخلہ لوں گا اور ایک سال مادر علمی میں مزید رہ کر، حضرت الاستاذؒ سے بھی فیض یاب ہو سکوں گا۔ نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوا اور شعبہ کھل گیا......
>
> ”عربی زبان و ادب کی نئی بہار آ گئی، نئی نصابی کتابیں، نیا طریقۂ تعلیم، نیا اسلوبِ بیان، تدریس و تدریب کا نیا طرز، آلاتِ درس کا استعمال، اوقات کی تجدید و تقسیم اور مناسب و مفید استعمال سے ایک نیا ماحول پیدا ہوا، جس میں ذوقِ مطالعہ کو فروغ ملنے لگا۔ عربی زبان میں قلمی جرائد کا سلسلہ شروع ہوا، عربی خطابت و صحافت کے میدانوں میں طلبہ کی فطری صلاحیتیں پروان چڑھنے لگیں، عربی خطاطی کے فن کو عروج بخشا گیا...... نظم و ضبط اور ڈسپلن کی زندگی پر زور دیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے، اس کے دل کش مناظر، ہر طرف نظر آنے لگے۔ درد محسوس کرنے اور درد بانٹنے کا مزاج پیدا کیا گیا اور مواسات و مواخات کے چشمے ابل پڑے۔ اکرام و احترام اور عقیدت و محبت کا درس دیا گیا اور استاذ و تلمیذ، ہم عصر و ہم درجہ جیسے رشتوں کے تقدس میں، انوکھا نکھار آ گیا اور یہ سب کچھ وہ نیا ”تعلیمی انقلاب“ اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دامن میں سمیٹ کر لایا، جو حضرت الاستاذ کی تشریف آوری سے مادرِ علمی میں بپا ہوا تھا۔ حضرت الاستاذ نے "دارالفکر" میں طلبہ کی کردار سازی کی جو مہم محدود پیمانے پر شروع کی تھی، انھوں نے اس مہم کو یہاں نہ صرف جاری کیا، بلکہ اس کو مزید وسعت دی۔ انھوں نے موم کی بتی کی طرح ہمیشہ اپنے جسم و جان کو پگھلایا اور اپنے طلبہ کی زندگیوں میں حیاتِ نو اور نئی تازگی پیدا کی۔ اپنا آرام و راحت قربان کیا اور اپنے طلبہ کے لیے زندگی بھر کی راحتوں کا سامان مہیا فرمادیا...... ان کی ذات طلبہ برادری کا مرجع و ملجا بن گئی تھی۔ ان کی محبت وعقیدت کی جڑیں، طلبہ کے دلوں میں گہری ہوگئیں"۔

۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء تک مولانا نے تمام صفوف کو تنہا پڑھایا، لیکن کام کی وسعت اور طلبہ کی کثرت کو دیکھتے ہوئے آپ ی درخواست پر مجلس شوریٰ صفر ۱۳۸۸ھ/ اپریل ۱۹۶۸ء نے دارالافتا کے طلبہ میں سے ایک معین بہ طور اجیر پندرہ روپے ہوار پر ایک گھنٹہ یومیہ کے لیے آپ کو دیا، جو صف ابتدائی کے طلبہ کو پڑھانے پر مامور ہوئے۔ اس حقیر نے بھی صف بتدائی کا سبق ایک لائق فاضلِ دارالعلوم اور اُس وقت دارالافتا کے نمایاں طالب علم سے پڑھا تھا۔

چند سال بعد یعنی صفر ۱۳۸۸ھ/ اپریل ۱۹۶۸ء میں مولاناؒ کو درجۂ وسطیٰ الف میں ترقی ملی۔ پھر ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء ں درجۂ عالیہ میں ترقی دی گئی اور ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء میں عربی زبان وادب کے ساتھ حدیث کی دو مشہور کتابوں طحاوی ثریف اور نسائی شریف کا درس بھی دیا۔

مولاناؒ نے جو کچھ پڑھا، اس میں ان کا تمام اساتذہ کے درمیان ...... ان کے اپنے اپنے مقام کے اعتراف کے ساتھ...... امتیاز رہا، وہ جو کچھ بولتے ایسا بھرپور بولتے، جو کچھ کہتے اس طرح مؤثر انداز میں کہتے کہ ساری باتیں ایک یک لفظ یاد ہوجاتیں۔ اتنا مزے دار، اتنا بابرکت درس میں نے زندگی میں نہ عجم میں سنا اور پڑھا اور نہ عرب میں۔ خاص ت یہ ہے کہ ان کے درس میں طلبہ کو فن سے بھی عشق ہوجاتا اور خود ان کی ذات سے بھی۔ ان سے پڑھنے والا شاید ہی وئی بدبخت ہو، جس کو ان سے محبت اور ہمیشہ کے لیے لازوال عقیدت پیدا نہ ہوگئی ہو۔ اس قاعدے سے وہی طالب علم ستثنیٰ رہا ہوگا، جس کو خود اپنی ذات سے بدگمانی رہی ہوگی اور دنیا کی تمام صالح قدروں کا منکر رہا ہوگا۔

ادب وزبان کے اسباق میں وہ ایک جگہ صرف ایک معنی بتانے پر اکتفا کرتے، جو وہاں پر منطبق ہوتا، دوسرا عنی ہرگز نہ بتاتے کہ لغت پڑھانے اور زبان پڑھانے کا فرق باقی رہے، نیز یہ کہ ایک ہی جگہ کئی کئی معنی بتادینے سے، الب علم کا ذہن مشوش ہوکر کسی ایک معنی کو بھی صحیح طور پر گرفت میں نہیں لے پاتا۔ مولاناؒ نے مقاماتِ حریری کے سبق میں ھی یہی روش اختیار کی، جس میں اساتذہ عموماً اپنا علمی رعب قائم کرنے کے لیے، طلبہ کو ایک لفظ کے کئی کئی معنی ضرور اتے ہیں اور کوئی معنی ڈھنگ سے یاد نہیں ہوتا۔

☆☆☆

© rasailojaraid.com